جوش ملیح آبادی پر حالی و شبلی کے اثرات

شہناز اختر

اسسٹنٹ پروفیسر اردو

کوئین میری کالج، لاہور

IMPRINTS OF HAALI AND SHIBLI ON JHOSH MALEEHABADI

Shahnaz Akhtar, PhD

Assistant Professor of Urdu

Queen Mary College, Lahore

Abstract

Josh Maleehabadi was a famous Urdu poet and writer of twentieth century. He is mainly remembered for his autobiography Yaadon ki Baarat. Haali and Shibli were two big names of their time and no one was spared of their influence. They both impressed generation of poets and writers. Josh was also greatly got influenced by them. Josh wrote on many topics under the influence of Haali and Shibli. The article is a study of influence of the said giants of Urdu on Josh in light of his writings.

Keywords:

حالی، شبلی، جوش، لکھنؤ، علی گڑھ، چپ کی داد، غزل، مقالات حالی

جوش ملیح آبادی ۵ دسمبر ۱۸۹۴ء کو کنول ہار، ملیح آباد (لکھنو، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ جوش نے جس دور میں جنم لیا اس دور میں سرسید اور غالب کا چرچا تھا۔ حالی اور شبلی کی قومی شاعری کی لوگوں میں دھوم تھی۔ جوش کا گھرانہ ملیح آباد کے رئیسوں کا تھا جو فن سپہ گری، شاعری اور امیرانہ ٹھاٹ باٹ کی وجہ سے مشہور تھا۔ جوش کے جدامجد فقیر محمد گویا صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ گویا نے نثر میں ایک داستان تحریر کی تھی جو فارسی کی کتاب ''انوارِ سہیلی'' کا ترجمہ ہے۔ جوش کے دادا بھی صاحبِ دیوان شاعر تھے اور جوش کے والد بھی صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ جوش کا یہ پہلا شعر جوش کے حسبِ حال تھا:

شاعری آئے کیوں نہ راس مجھے
یہ میرا فنِ خاندانی ہے

آدمی جس دور میں جنم لیتا ہے، بالواسطہ اور بلاواسطہ اس دور کے رجحانات، اعتقادات اور میلانات سے متاثر ہوتا ہے۔ اس کی فکر پر مذہبی، اخلاقی، نفسیاتی، سیاسی، معاشی، وراثتی اور معاشرتی اثرات بھی اپنا تاثر مرتب کرتے ہیں۔ جوش نے جس زمانے میں سنِ شعور میں قدم رکھا، غالب، اقبال اور سرسید اور ان کی تحریک کے ارکان کا شہرہ تھا۔ دوقومی نظریہ، ہندو مسلم تنازعات، انگریز دشمنی اور سامراجی قوتوں کے خلاف جذبات نے شعرا وادبا کی تخلیقات میں جوش وجذبہ پیدا کر دیا تھا۔ مسلمانوں کی زندگیوں میں اہم موڑ تو اسی وقت پیدا ہو گیا تھا جب ہندوؤں کی احیائی تحریکوں نے اسلامی تہذیب، قومیت کے تصور اور ان کی جداگانہ حیثیت کو ختم کرنے کی سعی کی۔

جوش کے فکر وفن پر سرسید اور ان کے رفقا بالخصوص حالی وشبلی نے گہرے اثرات مرتب کیے۔ جوش جس جاگیردار طبقہ، جس قدامت پسند ماحول، تو ہم پرستانہ مذہبی سخت گیری اور حاکمانہ کروفر سے تعلق رکھتے تھے اس کا تقاضا تھا کہ وہ اسے قائم ودائم رکھنے کی خاطر سامراجی حکمرانوں اور ان کے اقتدار کو مضبوط کرنے والے ظالمانہ اداروں، طبقوں اور تصورات کی حمایت کرتے لیکن انھوں نے اپنے ورثہ، ماحول اور روایت کے خلاف جنگ کا اظہار کیا جو انھوں نے زندگی کی آخری سانسوں تک لڑی، کئی سماجی اور تہذیبی مسائل مثلاً جبرِ مشیت کا احساس اور عورت کی سماجی مساویانہ حیثیت کے بارے میں جوش کی ذہنی گرہ زندگی کے آخری دور تک ہی کھل سکی۔ جوش قدامت کے راستے سے سائنسی علم وعرفان کی طرف بڑھتے رہے۔ ظلم وتشدد کی اندھی طاقتوں سے آزادی، امن، انصاف اور آدمیت کی طرف آئے۔ پہلی عالمی جنگ کی ہولناک تباہیوں کے خلاف ان کی ایک احتجاجی نظم ملتی ہے:

سلطان بڑھے ہیں دہر کے لشکر لئے ہوئے
اور ان کے ساتھ قحط بھی خنجر لئے ہوئے
یہ جنگ کیا ہے ایک مجسم جنون ہے
گلزار کائنات کے تھالوں میں خون ہے
خلقت تمام قحط سے بے آب و دانہ ہے
اس پر وباء کا زور ہے ،یہ کیسا زمانہ ہے
اک حد کے اختیار میں قیمت نہیں رہی
ڈاکہ رہا ہے رسمِ تجارت نہیں رہی

حالی کی شاعری میں حب الوطنی کا تصوراور انجمن پنجاب کے مشاعروں میں پڑھی جانے والی نظموں میں وہ مسلمانوں کی حالت زار بیان کر کے اپنے ہم وطنوں کے دلوں میں ہمدردی، خیر خواہی اور دوستی کے جذبات بیدار کرنے کی کوشش کرتے رہے ۔حالی نے اپنی نظم ''مدوجزر اسلام'' یا ''مسدس حالی'' میں بڑے مربوط انداز میں ظہورِ اسلام، اسلام کا عروج، اسلامی تہذیب وثقافت کا جاہ وجلال، ہندوستان میں مسلمانوں کی زبوں حالی، دوسری اقوام کی کامیابیاں اور مسلمانوں کی خستہ حالی بیان کی ہے نیز آخر میں حالی مسلمانوں کی ترقی اور کامیابی کے لیے تجاویز بھی دیتے ہیں ۔ یہ مسدس اسلامی طرزِ فکر کی نمائندہ نظم ہے ۔مسلمانوں کی قومی اصلاح کے لیے حالی نے مختلف موضوعات پر نظمیں لکھی ہیں ۔مسلمانوں کی معاشی اصلاح کے لیے حالی کا مقصد انھیں جدید تعلیم کی طرف راغب کرنا تھا اس کے لیے حالی نے ''مدرستہ العلوم علی گڑھ، مسلمانوں کی تعلیم، علی گڑھ کالج کیا سکھاتا ہے ۔ننگِ خدمت ،فلسفۂ ترقی '' جیسی نظمیں تحریر کی ہیں ۔مسدسِ حالی میں حالی مسلمانوں کی حالت زار کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نہ ثروت رہی ان کی قائم نہ عزت
گئے چھوڑ ساتھ ان کا اقبال و دولت
ہوئے علم و فن ان سے ایک ایک رخصت
مٹیں خوبیاں ساری نوبت بہ نوبت
رہا دین باقی نہ اسلام باقی
اک اسلام کا رہ گیا نام باقی
اگر کان دھر کر سنیں اہلِ عبرت
تو سیلون سے تا بہ کشمیر و تبت

زمیں، روکھ، بن، پھول ،پھل ، ریت، پربت
یہ فریاد سب کر رہے ہیں بہ حسرت
کہ کل فخر تھا جن سے اہل جہاں کو
لگا ان سے عیب آج ہندوستان کو

شبلی بھی سرسید کے مکتبہ فکر سے متعلق تھے

مسلمانوں کی حالتِ زار سے شبلی جیسے حساس شاعر متاثر ہوئے ۔انھوں نے تاریخی واقعات کے حوالے سے مسلمانوں کو غیرت وحمیّت پیدا کرنے پر اکسایا اور مسلمانوں کو ترقی کی طرف رغبت دلائی ۔جب وہ علی گڑھ سے وابستہ تھے،تو انھوں نے ''صبح امید''اور''تماشائے عبرت'' کے نام سے مثنویاں قلم بند کیں ۔شبلی کی شاعری بیسویں صدی میں نکھر کر سامنے آئی ۔مسلم لیگ کا قیام،مسلم یونیورسٹی کے قیام کے لیے جدوجہد، مسلمانوں کے حقوق کے لیے حکومت سے مذاکرات ،کانپور کی مسجد کا المناک حادثہ،تقسیم بنگال کی تنسیخ،ترکی کے مصائب،طرابلس اور بلقان کی جنگیں، یہ ایسے واقعات تھے جن سے شبلی بہت متاثر ہوئے ۔اس دور میں شہر آشوب اسلام، رفاہ عالم،مذہب یا سیاست اور خطاب بہ افراد کے نام سے نظمیں لکھیں۔

پہنائی جارہی ہیں عالمان دین کو زنجیریں
یہ زیور سید سجاد عالی کی وراثت ہے
یہی دس بیس اگر ہیں کشتگان خنجر اندازی
تو مجھ کو سستی بازوئے قاتل کی شکایت ہے

''جنگِ یورپ اور ہندوستانی''ایسی نظم ہے جس پر حکومت نے شبلی کو گرفتاری کا حکم دیا تھا لیکن اسی دوران شبلی کا انتقال ہوگیا ۔حفیظ الرحمٰن خان نے''پاکستانی ادب کا منظر نامہ''میں مولانا شبلی کی تاریخی نظم کی بازیافت کے حوالے سے اسے درج کیا ہے:

اک روز جرمنی نے کہا از رہ غرور
آسان نہیں ہے فتح تو دشوار بھی نہیں
انگلینڈ کی تو فوج ہے دس لاکھ سے بھی کم
اور لطف اس پہ یہ کہ وہ تیار بھی نہیں
باقی رہا فرانس وہ ہے رندِ لم یزل
آئین شناس شیوہ پیکار بھی نہیں

میں نے کہا غلط ہے تیرا دعویٰ امرد
دیوانہ تو نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں
ہم لوگ اہل ہند ہی ہیں تجھ سے دس گنا
تجھ کو تمیزِ اندک و بسیار بھی نہیں
کچھ دیر تو وہ سُنتا رہا میری کہانی
پھر وہ کہا جو لائقِ اظہار بھی نہیں
"اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں"(۱)

جوش نے بھی اپنے پیش روؤں کی تقلید میں جنگ عظیم اول میں برطانیہ کی مدد کی اپیل کے جواب میں ایک نظم تحریر کی۔ایک دن لکھنؤ کے گورنر نے اہل ہند سے یہ اپیل کی کہ وہ انسانیت کے مستقبل کو بچانے کی خاطر برطانیہ کی مدد پر کمر بستہ ہو جائیں تو اس وقت جوش نے "ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں سے خطاب" کے عنوان سے نظم تحریر کی۔نظم ضبط ہوگئی اور جن لوگوں نے یہ نظم پڑھی انھیں گرفتار کر لیا گیا۔نظم کچھ یوں ہے:

کس زباں سے کہہ رہے ہو آج اے سوداگرو
دہر میں، انسانیت کے نام کو اونچا کرو
جس کو سب کہتے ہیں ہٹلر، بھیڑیا ہے، بھیڑیا
بھیڑیے کو مار دو گولی، بچے امن و بقا
باغِ انسانی میں چلنے ہی پہ ہے بادِ خزاں
آدمیت لے رہی ہے ہچکیوں پہ ہچکیاں
بات ہے ہٹلر کا رخشِ خودسری کی باگ پر
تیغ کا پانی چھڑک دو، جرمنی کی آگ پر
یاد تو ہوگی وہ میناہرج کی بھی داستاں
اب بھی جس کی خاک سے رہ رہ کے اٹھتا ہے دھواں
تم نے قیصر باغ کو دیکھا تو ہوگا بارہا
آج بھی آتی ہے جس سے "ہائے اختر" کی یہ صدا
سچ کہو، کیا حافظے میں ہے، ظلمِ بے پناہ

آج تک رنگون میں اک قبر ہے جس کی گواہ
ذہن میں ہوگا یہ تازہ ہندیوں کا داغ بھی
یاد تو ہوگا تمہیں جلیاں والا باغ بھی
پوچھ لو، اس سے تمہارا نام کیوں تابندہ ہے
ڈائر، گرگ دہن آلود، اب بھی زندہ ہے(۲)

حالی اور شبلی کے ہاں فطرت سے محبت اور نیچر سے الفت کا احساس سرسید تحریک کا خاصہ ہے۔بعینہ جوش کے ہاں بھی فطرت سے محبت کا جذبہ موجود ہے۔خالق کائنات کی خلاقی کا مظہر یہ کائنات ہے۔اس میں مالکِ قدرت کی صناعیاں قدم قدم پر دعوت نظارہ دیتیں اور تفکر پر اکساتی ہیں۔موسموں کی نیرنگیاں انسان کے ملاحظہ اور تصرف کے لیے ہیں۔جوش کا پہلا مجموعہ نظم ونثر ''روحِ ادب'' بھی ان کی اسی فطرت پرستی کا اظہار ہے۔اپنی ایک نظم ''بدلی کا چاند'' میں جوش نے مناظرِ فطرت کی نہایت خوبصورتی کے ساتھ منظر کشی کی ہے:

خورشید وہ دیکھو ڈوب گیا، ظلمت کا نشاں لہرانے لگا
مہتاب، وہ ہلکے بادل سے، چاندی کے ورق برسانے لگا
وہ سانولے پن پر میداں کے، ہلکی سی صباحت دوڑ چلی
تھوڑا سا ابھر کر بادل سے، وہ چاند جبیں جھلکانے لگا
لو، ڈوب گیا پھر بادل میں، بادل میں وہ خط سے دوڑ گئے

شبلی نے ایک قصیدہ سرسید کے بیٹے سید محمود کی شادی کی مبارکباد کے لیے تحریر کیا۔اس کی تشبیب ہے:

ناز سے سوئے چمن جاتی ہے پھر بادِ بہار
جھومتے آتے ہیں پھر صحنِ چمن میں بادل
نو عروسانِ چمن کے ہیں نرالے انداز
کہ صبا گود میں لیتی ہے تو جاتے ہیں مچل
سمت قبلہ سے جو اُٹھتی ہیں گھٹائیں ہر بار
کہتی ہیں یہ زاہد سے کہ اب کی تو سنبھل(۳)

حالی کی نظم ''برکھارت'' میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے جن مصائب کا سامنا لوگوں کو کرنا پڑتا ہے، ان کا ذکر ہے اور پھر ایسی تکلیفوں کے بعد بارش ہونے کے بعد کی کیفیات کو کمالِ مہارت اور فنی چابکدستی کے ساتھ قلم بند کیا گیا ہے۔حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ تشبیہات واستعارات نے محاکات نگاری پر حالی کی دسترس کو ثابت کیا ہے:

برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
اک شور ہے آسماں پہ برپا
ہے ابر کی فوج آگے آگے
اور پیچھے ہیں دَل کے دَل ہوا کے
ہیں رنگ برنگ کے رسالے
گورے ہیں کہیں ، کہیں ہیں کالے
ہے چرخ یہ چھاونی سی چھاتی
ایک آتی ہے فوج، ایک جاتی

حالی اور شبلی کے ہاں جدید نظامِ حکومت اور جدید نظامِ تعلیم کی اہمیت کا احساس ملتا ہے۔حالی نے مسلمانوں کو بتایا کہ جدید یعنی انگریزی نظامِ حکومت میں کتنی ہی خرابیاں کیوں نہ ہوں قدیم کے مقابلے میں جدید نظام میں قومی فلاح و بہبود کے کام جاری رہتے ہیں:

جو تمدن کی عمارت تھے گئے اسلاف چھوڑ
آگیا اب اسی کی بنیادوں میں سر تا سر خلل
ہیں نئی رسمیں نئے آئین ، نئی ہے چال ڈھال
اور نئے علم و ہنر کا ہے جدھر دیکھو عمل

شبلی کو انگریزی کی ضرورت کا اتنا احساس ہوگیا تھا کہ وہ علما کے لیے انگریزی کا جاننا ضروری سمجھتے تھے۔سید سلیمان ندوی نے شبلی کے حوالے سے دلچسپ واقعہ بیان کیا جس میں انھوں نے انگریزی کی اہمیت کا احساس دلایا ہے۔شبلی بیان کرتے ہیں:

> ''جب میں ترکی سے واپس آیا تو اتفاق سے گھر میں علالت تھی ایک رات کو ۱۲ بجے تار آیا۔ میں نے اس کو کھولا۔دل میں دبدھا پیدا ہوا کہ کیا واقعہ ہے،خدا جانے کیسا تار ہے،خیر میں دوڑا ہوا سر سید مرحوم کے نواسہ کے پاس گیا۔انہوں نے پڑھ کر سنایا کہ یہ تار نواب علی حسن خاں صاحب نے بھوپال سے بھیجا ہے،وہ آپ کو ترکی سے بخیریت واپس آنے پر مبارک باد دیتے ہیں یہ حال ہم مولویوں کا ہے۔''(۴)

ایسے عالم جو اپنے علمی مرتبے اور وقار کو قائم رکھ سکیں، ملک میں اور بیرون ملک اسلام کی تبلیغ کا فرض ادا کر سکیں،معترضین کا نئی تعلیم کی روشنی میں جواب دے سکیں،بغیر انگریزی زبان پر دسترس حاصل کیے ایسا کرنا

ممکن نہیں اسی وجہ سے شبلی نے ندوہ کے نصاب میں انگریزی کے داخل کیے جانے پر زور دیا۔شبلی نے اپنی معتمدی کے زمانے میں ہندی اور سنسکرت سیکھنے پر زور دیا۔''الندوہ''شبلی کا پسندیدہ اور عزیز رسالہ تھا وہ اس میں تاریخی، تحقیقی، علمی اور مذہبی مضامین لکھتے۔مولانا شبلی کے علاوہ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی، مولانا عبداللہ العمادی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالسلام ندوی نے مختلف اوقات میں اس کی ادارت کے فرائض انجام دیئے۔ڈاکٹر محمد فاروق اس پرچے کے بارے میں اپنے خیالات اس طرح ظاہر کرتے ہیں:

> ''اس رسالہ نے طبقہ علما کے جمود میں حرکت پیدا کی ان کے خیالات میں انقلاب پیدا کیا۔اب تک علما کے تحقیقاتی مسائل، منطق، عقائد اور فقہ کے چند ایسے مسائل قرار پائے ہوئے تھے جن پر بہت کچھ لکھا جا چکا تھا۔الندوہ کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے علما کے خیالات میں انقلاب پید اکیا۔علما کے سامنے جدید مباحث کا دروازہ کھلا۔اسلام اور علوم اسلامیہ کی خدمت کے نئے طریقے ان کو نظر آئے، زبان و بیان کے انداز اور پیرائے معلوم ہوئے۔''(۵)

جوش کا نظریہ علم، حرکی، علمی اور ہمہ گیر بنیادوں پر استوار ہے۔انسانی تمدن کے فروغ میں وہ سائنسی علم کی کارفرمائی دیکھتے ہیں جو انسانی محنت اور تجربات کی عطا کردہ ہے۔اس کے مقابلہ میں جہالت، ضعیف الاعتقادی اور قدیم جامد علوم کو آدمیت کے فروغ کی راہ میں سنگِ گران تصور کرتے ہیں۔اپنی ایک نظم ''جہادِ علم''میں لکھتے ہیں:

رکاب تھام کے چل روحِ آدمِ ایجاد
چلا ہے علم، سوئے دشتِ جہل، بہرِ جہاد
دیارِ لات و حبل میں پکار کر کہہ دو
کہ ہو رہا ہے بشر بندگی سے اب آزاد
وہ اک نگاہ تجسس ہے سوئے ذات و صفات
سمجھ رہے ہیں جسے مفتیانِ دین الحاد
غرض ہے علم سے اے جوش بت ملے کہ خدا
اٹھا بھی پردہ اسرار، ہرچہ بادا باد

قمر رئیس لکھتے ہیں:

''تحقیق و تفحص یا حصول علم کو جوش کے نظامِ اقدار میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔یہ اپنے

آپ میں ایک مقصد بھی ہے اور انسانی فلاح کے عظیم تر مقاصد کے حصول کا ذریعہ بھی ۔وہ کہتے ہیں:

میلان فکر و خوئے تجسس نہیں گناہ
تحقیق امِ علم، تجسس چراغ راہ

جوش کے نظریہ تحقیق اور علم میں مابعد الطبیعاتی سوالوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے ۔ان کی سوچ کا محور انسان اور اس کی ارضی زندگی کی مشکلات اور مسائل ہیں وہ عصرِ جدید کی سائنسی، تکنیکی اور صنعتی ترقیوں کا بھرپور اعتراف کرتے ہیں انھیں یقین ہے کہ انسان اپنے ذہنی تحرک اور تخلیقی عمل سے ہی اپنی تاریخ کی تعمیر کرتا ہے۔"(۶)

حالی اور شبلی اور جوش کا ایک اور مشترکہ میلان ہے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کا احساس اور قوم کی بیداری کے لیے انھیں مائل بہ عمل کرنا ۔شکم پروری اب مقصد حیات رہ گیا ہے ۔مسلمان دین وملّت سے بیگانہ ہو چکے ہیں ۔اجداد کا سرمایہ علوم کی صورت میں ان کے ہاں موجود تھا، اس سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں ۔اخلاق بگڑ چکے ہیں، تعصب کی گھٹا چھائی ہوئی ہے ۔حالی نے سرسید کی تحریک پر مسدس لکھی "مدوجزر اسلام" کے نام سے جو مسدسِ حالی کے نام سے مشہور ہوئی، اس میں حالی نے مسلمان قوم کا مرثیہ لکھا ہے ۔سرسید کے اخبار تہذیب الاخلاق میں یہ قسط وار شایع ہوئی اور بعد میں کتابی شکل میں طبع ہوئی صالحہ عابد حسین نے لکھا ہے کہ سرسید نے ایک خط میں اس کے بارے میں لکھا:

"کس قدر صفائی خوبی اور روانی سے یہ نظم تحریر ہوئی ہے، بیان سے باہر ہے ۔تعجب ہوتا ہے کہ ایسا واقعی مضمون جو مبالغے، جھوٹ، تشبیہات دور از کار سے جو مایہ ناز شعر وشاعری ہے، بالکل مبرا ہے، کیوں کر اس خوبی، خوش بیانی اور موثر طور پر ادا ہوا ہے ۔متعدد بند اس میں ایسے ہیں جو بے چشمِ نم پڑھے نہیں جاتے ۔حق بات تو یہ ہے کہ جو بات دل سے نکلتی ہے دل میں بیٹھتی ہے ..... بیشک میں اس کا محرک ہوں اور اس کو میں اپنے ان اعمال حسنہ میں سمجھتا ہوں کہ جب خدا پوچھے گا کہ کیا لایا تو میں کہوں گا حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں اور کچھ نہیں۔"(۷)

حالی ایک طرف مغربی تہذیب کو دیکھتے ہیں جو دنیاوی طریقوں کی علمبردار ہے، دوسری طرف مسلمانوں کی تہذیب ہے جو جاگیرداری دور کے زوال پذیر ہونے کی ساری خامیاں اور کمزوریاں اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے ۔حالی کو مسلمانوں کے اخلاق ومعاشرت اور مذہب وتعلیم کی اصلاح کی فکر دامن گیر ہے۔

''شکوۂ ہند'' میں مسلمانوں کے انحطاط کا رنگ نمایاں ہے ''تعصب و انصاف'' میں حالی تعصب کو فرد اور سماج دونوں کا بڑا دشمن قرار دیتے ہیں۔ معین احسن جذبی لکھتے ہیں:

''معاشرت کی اصلاح میں بھی حالی نے عملی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا ہے ان کا خیال ہے کہ اصلاح معاشرت کی امید اسی وقت کی جا سکتی ہے جب کہ ہمارے علما اور واعظین اس ضروری کام کی طرف متوجہ ہوں۔''(۸)

شبلی کو یہ احساس تھا کہ ان کی قوم اپنے مقام بلند سے گر چکی ہے اور سبب یہ کہ مسلمان ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہیں ان میں اخوت، محبت، حمیت، غیرت اور اخلاق ختم ہو چکے ہیں۔ اب ہمیں ان لوگوں کی ضرورت ہے جن میں باتیں کرنے کی بجائے قوم کے لیے کچھ کر دکھانے کا جذبہ ہو جو دوسروں کی فیاضی پر پلنے کی بجائے کچھ کر دکھانے کے جذبے سے مالا مال ہوں۔ ''قصیدۂ اردو'' میں لکھتے ہیں:

سلف کا تذکرہ جو ہمت و غیرت کا ہے افسوں
ہمارے حق میں وہ سرمایۂ خواب پریشاں ہے
ہمیں احساس تک ہوتا نہیں اپنی تباہی کا
کہ سب پیش نظر اسلاف کی وہ شان و شوکت ہے
حمیت اور خودداری نہیں گر طبیعت میں
تو اچھا ہے کہ مسکینی تو شرط اول ہے
گئے وہ دن کہ ہم محتاج تھے عبرت دلانے کے
ہمارا حال خود افزا ہے آج سر تا سر
ضرورت اب ہے گر ہم کو تو بس ہے ان بزرگوں کی
کہ جن میں خیر سے کچھ کر دکھانے کے بھی ہوں جوہر

جوش نے بھی آبا و اجداد کی عزت و حمیت کے ترانے گائے ہیں اور مسلمانوں کی حالت دیکھ کر انھیں بھی دکھ ہوا ہے۔ وہ دیکھ رہے کہ حکمران بھیس بدل بدل کر آ رہے ہیں اور مجبور و بے بس عوام آج بھی ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں اور آلام کا کشتہ بن رہے ہیں۔

اٹھا ساغر کہ انسان کشتۂ آلام ہے ساقی
یہ بدلا ہے یہ مئے آگے خدا کا نام ہے ساقی
نہ جانے نوع انساں کیوں اجل سے خوف کھاتی ہے
اجل کہتے ہیں جس کو رحمتِ یک گام ہے ساقی

ادھر یہ قول ہم نے شرح کر دی ہے حقائق کی
ادھر اب تک وہی ابہام کا ابہام ہے ساقی

مرثیہ نگاری حالی، شبلی اور جوش تینوں کا میدان رہی، حالی نے مسلمان قوم کا مرثیہ لکھا جو مدوجزرِ اسلام عرف مسدسِ حالی کے نام سے مشہور ہوا:

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

علاوہ ازیں حالی نے غالب کا مرثیہ بھی لکھا جو بغیر وقت اور حالی کے استاد تھے جن کی سوانح ''یادگارِ غالب'' کے نام سے حالی نے قلم بند کی تھی:

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد
بلبلِ ہند مر گیا ہیہات
جس کی تھی بات بات میں اک بات
نکتہ داں، نکتہ سنج ، نکتہ شناس
پاک دل، پاک ذات ، پاک صفات
اس کے مرنے سے مرگئی دلی
خواجہ نوشہ تھا اور شہر برات

شبلی نے اپنے بھائی مولوی محمد اسحاق صاحب کا مرثیہ لکھا۔اس مرثیے کر پڑھ کر شبلی کے دردوغم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔یہی غم ان کی موت پر منتج ہوا:

وہ برادر کہ مرا یوسفِ کنعانی تھا
وہ کہ مجموعہ ہر خوبی انسانی تھا
وہ کہ گھر بھر کیلئے رحمتِ یزدانی تھا
قوتِ دست و دلِ شبلی نعمانی تھا
جوش اسی کا تھا جو میرے سر پر شور میں تھا
بل اسی کا یہ میرے خامہ پُر زور میں تھا

شبلی نے اپنے بھائی کے لیے ایک اور نظم لکھی تھی بہ طرزِ مرثیہ، دیکھیے:

اک برگ تھا ورقِ نو بہار حسن
ذروں کے رخ پہ صبحِ سعادت کا نور تھا

جوش نے اپنی حیات میں کل نو مرثیے تحریر کیے۔ جوش محض آہ و بکا کو مرثیوں کے لیے ضروری تصور نہیں کرتے تھے بلکہ وہ جنگ کربلا کے واقعات سے حرارت و حرکت اخذ کرنے کے حق میں تھے اور حسینی طرز اختیار کرنے پر زور دیتے تھے۔ ضمیر اختر نقوی نے مراثی جوش کی کل کائنات میں نو مراثی، پانچ سلام اور چند رباعیاں بیان کی ہیں۔ مراثی جوش کے بارے میں ڈاکٹر شاداب رضی اپنے مضمون جوش کے مرثیے، چند مباحث میں لکھتے ہیں:

''جوش کے مرثیے نہادِ فکر اور اسلوب فن دونوں لحاظ سے اردو کی رثائی شاعری کا اہم حصہ ہیں
یہ مرثیے عصری تناظر میں واقعات کربلا کو نئی معنویت دینے کی عمدہ کوششیں ہیں۔'' (۹)

اپنے مرثیے ''آوازِ حق'' اور ''حسین اور انقلاب'' میں جوش نے جنگ عظیم اور ہندوستان کی تحریک آزادی سے پیدا شدہ احوال و کوائف کو فکری پس منظر بنایا ہے۔ موجد و مفکر، پیغمبرِ اسلام، آگ، موت محمد و آل محمد کی نظر میں' اور ''پانی'' مشہور مرثیے ہیں۔

کہہ رہا ہے یہ ارے کون باندازِ سروش
کہ بس امروز ہے امروز نہ فردا نہ دوش
کس کی یارب یہ صدا ہے کہ فضا ہے خاموش
میں حسین ابن علی بول رہا ہوں اے جوش
بخش دے آگ مرے سرد عزاداروں کو
ہاں! جگاؤں اب میں سوئی ہوئی تلواروں کو

حالی، شبلی اور جوش میں ایک اور چیز مشترک ہے، وہ یہ ہے کہ تینوں حقوق نسواں کے علمبردار ہیں۔ عورتوں کی تعلیم و تربیت بھی اسی قدر ضروری ہے جس قدر مردوں کی تعلیم ضروری ہے۔ حالی قوم کے افراد کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے۔ قوم کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی حالت زار کی عکاسی ان کے ہاں خوب ہوئی۔ مسلمانوں کی معاشی اور معاشرتی حالت کو بہتر بنانے کے سلسلے میں جدید تعلیم کی ضرورت و اہمیت پر زور دیا ہے۔

معاشرتی اصلاح کے سلسلے میں حالی نے عورتوں کے حقوق اور مسائل پر بھی موثر نظمیں تحریر کیں۔ مثلاً ''مناجاتِ بیوہ''، ''چپ کی داد'' وغیرہ مسلمانوں کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے سلسلے میں ''ننگِ خدمت''،

''دولت''اور''وقت کا مناظرہ''وغیرہ ان کی مثالی نظمیں ہیں۔مسدس کے علاوہ دیگر نظموں میں بھی انھوں نے مشرق کی جہالت اور غفلت پر تاسف ظاہر کیا ہے اور مغرب کی ترقی کے گن گائے ہیں۔''فلسفہ ترقی''میں انھوں نے یہی موضوع بیان کیا ہے:

بیٹھے بے فکر کیا ہو ہم وطنو!
اٹھو اہل وطن کے دوست بنو
تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر
نہ کسی ہم وطن کو سمجھو غیر
ملک ہیں اتفاق سے آزاد
شہر ہیں اتفاق سے آباد
ہند میں اتفاق ہوتا اگر
کھاتے غیروں کے ٹھوکریں کیوں کر
قوم جب اتفاق کھو بیٹھی
اپنی پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھی

اصلاح کی ایک صورت بحیثیت مجموعی سوسائٹی کو بدلنا ہے۔نئے مسائل اور معاملات سے آگاہ کرنا ہے اور اس کا ایک اہم پہلو گھر کے معاملات کو بہتر بنانا ہے جہاں نئی نسل کی تربیت ہوتی ہے:

اے ماؤ، بہنو، بیٹیو! دنیا کی عزت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمھی قوموں کی عزت تم سے ہے
جو علم مردوں کیلئے سمجھا گیا آب حیات
ٹھہرا تمھارے حق میں وہ زہر ہلاہل سر بسر
آیا ہے وہ انصاف کا دن نزدیک ہے یوم حساب
دنیا کو دینا ہوگا ان حق تلفیوں کا جواب
دنیا کے دانا اور حکیم اس خوف سے لرزاں تھے سب
تم پر مبادا علم کی پڑ جائے پرچھائیں کہیں
ایسا نہ ہو مرد اور عورت میں رہے باقی نہ فرق
تعلیم پا کر آدمی بنا تمھیں زیبا نہیں

مولوی عبدالحق کی رائے ہے کہ''چپ کی داد''اور''مناجات بیوہ''دو ایسی نظمیں ہیں جن کی نظیر

ہماری زبان میں نہیں ملتی ۔ان نظموں کے ایک ایک مصرعے سے خلوص، جوش، ہمدردی اور اثر ٹپکتا ہے یہ نظمیں دل وجگر کے ٹکڑے ہیں ۔(۱۰)

سرسید نے باوجود کہ عورتوں کی تعلیم کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کیا ہے، انھوں نے پردہ نشیں خواتین کی تعلیم کے لیے کچھ نہ کیا بلکہ الٹے تعلیم کی مخالفت کی ۔سید شہاب الدین دسنوی نے اپنی کتاب ''شبلی'' (معاندانہ تنقید کی روشنی میں) سید کرامت حسین کے حوالے سے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ سرسید اپنی روشن خیالی کے باوجود عورتوں کی تعلیم کے حامی نہ تھے (۱۱) جب کہ شبلی کے سامنے بار بار یہ سوال اٹھ رہا تھا کہ ملک کی سماجی، ثقافتی اور دوسری فلاحی تحریکوں میں مسلمان عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش لا کر کیسے کھڑا کیا جائے ۔اسلام کے حوالے سے خواتین کے کردار کے بارے میں شبلی نے تین واقعاتی نظمیں تحریر کی ہیں ''اہل بیت رسول ﷺ کی زندگی''، ''ایثار کی اعلیٰ نظیر''، ''ایک خاتون کی آزادانہ گستاخی اور رسول ﷺ کا حلم اور عفو''۔

جوش کے ہاں عورت محبوبہ ہے، دم ساز شریکِ حیات ہے ۔جوش کی ابتدائی شاعری میں انھوں نے ''جامن والیاں'' اور کوہستان دکن کی عورتیں'' نامی نظمیں لکھی۔ ''نقش ونگار'' میں جوش نے عورت کا لطیف تصور پیش کیا جو ایک محبوبہ کا ہے ۔''جنگل کی شاہزادی'' جوش کی ایسی نظم ہے جس میں انھوں نے واقعہ نگاری کے ذریعے عورت کی خوبصورتی اور وقار کو بیان کیا ہے ۔ڈاکٹر کمال احمد صدیقی نے مجاز اور سبط حسن کے حوالے سے بتایا ہے کہ نیا ادب کے دفتر میں دیوار پر فریم میں ایک مجاہدہ کی تصویر لگی تھی ۔اسلحہ سے لیس، جوش صاحب جب کبھی دفتر آتے تھے تو اس کی تصویر کی پشت سامنے اور اصل رخ دیوار کی طرف کر دیتے تھے ۔عورت کے اس روپ کو وہ غیر فطری سمجھتے تھے ۔شاید اس سے ان کے مرد ہونے کے خیال کو ٹھیس لگتی تھی ۔(۱۲) جوش کے خیالات میں ارتقا ہوا بعد میں خواتین کی تعلیم کی حمایت میں انھوں نے مضامین بھی لکھے اور شاعری میں خواتین کو اپنی مساعی کی وجہ سے سراہا ۔خورشید علی خان نے لکھا ہے کہ جب انھوں نے بتایا کہ ان کی نفسیات کی کلاس میں چونسٹھ لڑکیاں اور اُن سمیت چار لڑکے (طالب علم) موجود ہیں تو جوش صاحب کو خوشی ہوئی اور انھوں نے کہا کہ جس ملک کی مائیں تعلیم یافتہ ہو جائیں اس ملک کا مستقبل یقیناً محفوظ ہو جاتا ہے ۔

حالی کی زبان نہایت سادہ تھی ۔حالی کے ذہنی ارتقا میں ان کے لسانی وادبی شعور کا بہت دخل ہے ۔ غالب اور شیفتہ کی صحبت نے ان کے شعری ذوق کی تربیت میں اہم کردار ادا کیا ۔اپنی ملازمت کے دوران میں انگریزی زبان وادب سے واقفیت کی وجہ سے (تراجم کے ذریعے) ان کے لسانی وادبی شعور میں پختگی آئی ۔حالی زبان ولغت کے مسائل سے بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے ۔ان کے زمانے تک ان موضوعات پر جتنا کچھ کام ہوا وہ اسے ناکافی اور غیر اطمینان بخش سمجھتے تھے ۔چنانچہ ۶ مارچ ۱۹۱۳ء کے ایک خط میں انھوں نے

مولوی عبدالحق کو انجمن ترقی اردو کے سیکرٹری کا عہدہ سنبھالنے کی مبارکباد دینے کے بعد کہا:

''اصطلاحات علمیہ کی ڈکشنری ضرور مرتب کیجیے اور اس کے بعد معمولی اردو زبان کی ڈکشنری کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اگر آپ کی کوشش سے یہ دونوں لغات تیار ہو جائیں تو آپ اس خدمت سے عہدہ برآ ہوں گے جو قومی ترقی کی جڑ ہے۔''

۱۵، اگست ۱۹۱۰ء کے خط میں مولانا ظفر علی خاں کو لکھتے ہیں:

''اردو زبان کی تذکروتانیث پر میں اپنے خیالات .... ظاہر کرنا چاہتا تھا مگر طبیعت کی نادرستگی، کمزوری اور سب سے زیادہ مکروہاتِ دنیوی نے اب تک اس ارادے کو پورا نہیں ہونے دیا۔''(۱۳)

حالی کے اسلوب میں ایک نوع کی سادگی اور روانی ہے لیکن ان کی تحریر دل سے نکلتی اور دل میں بیٹھی ہے۔ مقدمہ شعروشاعری میں حالی نے تنقیدی بصیرت کا ثبوت دیا۔ حالی غزل کو بے معنی اور مشکل صنعتِ سخن قرار دیتے ہیں اور ایسی شاعری جس سے سوسائٹی کو فائدہ نہ پہنچے، سے بے زاری کا اظہار کرتے ہیں۔ حالی نے ایسی نثر بھی لکھی ہے جو انشا پردازی کا ایسا دلفریب نمونہ ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے سے طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ وہ لکھتے ہیں:

اے میری بلبلِ ہزار داستان، اے میری طوطی شیوہ بیان، اے میرے قاصد، اے میری ترجمان، اے میری وکیل اے میری زبان، سچ بتا تو کس درخت کی ٹہنی اور کس چمن کا پودا ہے۔ تیرے ہر پھول کا رنگ جدا اور تیرے ہر پھل میں اپنا مزہ ہے کبھی تو ایک ساحرِ فسوں ساز ہے جس کے سحر کا رد نہ جادو کا اتار، کبھی تو ایک افعیٔ جاں گداز ہے جس کے زہر کا درد، نہ کاٹے کا منتر (زبانِ گویا، ص ۱۵)

شبلی کے ہاں بھی غزل کی نسبت نظم کا زیادہ رجحان موجود ہے۔ حالی کی سادہ نگاری کے مقابلے میں شبلی جمالیاتی قدروں کے نقیب کہلائے۔ مشرقی شعریات سے متعلق مباحث ان کے جمالیاتی ذوق کے آئینہ دار ہیں۔ خاص طور سے شعرالعجم کے مضامین اس کی مثال ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: اس عالم میں شاعر کی تاریخِ زندگی عجیب دلچسپیوں سے بھری ہوتی ہے۔ بلبل نے اسی عالم میں اس سے زمزمہ سنجی کی تعلیم پائی ہے پروانے اس کے ساتھ کھیلے ہیں، شمع سے رات بھر وہ سوزِ دل کہتا رہا۔ نسیمِ سحری کو اکثر اس نے قاصد بنا کر محبوب کے یہاں بھیجا ہے۔ بارہا اس نے غنچہ کی عین اس وقت پردہ دری کی جب وہ معشوق کا تبسم چرا رہا تھا (شعرالعجم)۔

ایک زرخیز تخیل کے ساتھ ساتھ انشا پردازی اور بے ساختگی کی مثال ہمیں سیرۃ النبی ﷺ سے بھی ملتی ہے۔ شبلی کے ہاں تمثیلی انداز کی بجائے محاکات نگاری پائی جاتی ہے۔ ان کے ہاں اسلوبیاتی تنوع ملتا

ہے۔علمی اسلوب میں استدلالی انداز بیاں نے تحریر میں جان ڈال دی ہے۔فارسی وعربی کے ذوق اور خطیبانہ آہنگ نے ادبیت کی شان بڑھادی ہے۔شبلی کے ہاں انشائے لطیف کے نمونے بھی نظر آتے ہیں۔تنقیدی اسلوب کے حوالے سے شعرالعجم ،موازنہ انیس ودبیر، سیرۃ النعمان، الفاروق اورالغزالی اہم ہیں۔تعقل پسندی نے شبلی کے استدلالی لہجے کونمایاں کیا ہے۔

جوش کے اسلوب میں جدت اورندرت ہےان کی زیادہ تر تحریروں میں یہی اسلوب ملتا ہے۔روح ادب کے نثری اوراق ،یادوں کی برات کے بیشتر حصے اور بہت سے مضامین میں جومختلف رسائل میں چھپے ہیں، یہی ادبی اسلوب ملتا ہے۔روح ادب میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔''چھٹکے ہوئے تاروں سے ایک روشنی چلی۔ فضا کوجلاتی ہوئی آئی اورمیرے سینے میں جذب ہوگئی،جمع ہوتے ہی وہ روشنی میرے سینے سے باہرآئی۔کرنوں سے چلی اوردریا کی لہروں میں نہانے لگی۔دریا سے باہرآئی، باغ میں گئی اورنازک نازک کلیوں میں چھپ گئی اورکلیاں مسکرانے لگیں۔کلیوں کو چٹکاتی ہوئی پھرمیرے نزدیک آئی اورمیری روح کوآہستہ سے چھوکرتمام کائنات میں پھیل گئی۔''(۱۴)

جوش نے ابتدائی دور میں غزلیں بھی تحریر کیں لیکن بعد میں ''بقدرذوق نہیں ظرف تنگنائے غزل'' کہہ غزل سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔''روح ادب'' میں انشائے لطیف کے نمونے جھلک دکھلاتے ہیں۔جوش نے آسان الفاظ کورواج دیا۔

تشبیہات،استعارات وتراکیب سازی نے جوش کی نظم ونثر کوزندہ کردیا۔جوش نے بھی صحت املا اورتلفظ کے لیے کام کیا۔اردولغت تاریخی اصول پرمرتب کرنے کے سلسلے میں جوش نے بھی حصہ ڈالا۔جوش کی تنقیدی بصیرت ان کے مضامین سے عیاں ہوتی ہے جوان کے رسالے ''کلیم'' میں شایع ہوئے یا ماہنامہ ''آج کل'' میں چھپے۔''غزل''پران کا مشہور زمانہ مضمون بھی کلیم میں شایع ہوا۔''الفاظ اورشاعر''میں جوش نے لفظوں کی اہمیت بیان کی ہے۔

حالی وشبلی کی طرح جوش کوبھی عربی اورفارسی سے محبت تھی۔انھی کی طرح خطابیہ انداز تھا۔انھی کی طرح قوم کی بہتری اوربہبود کا خیال جوش کے پیش نظر تھا۔انھی کی طرح جوش بھی نوجوانوں کوعمل پراکساتے تھےاورنوجوان سے امیدیں وابستہ رکھتے تھے۔ڈاکٹرمعین الدین عقیل لکھتے ہیں:

> ''ان کی نظمیں، مستقبل ہندوستان،اورلیلائے آزادی،بھی اسی احساس کی مظہر ہیں۔ ان کی ایک نظم، وقت کی آواز'سیاسی مسدس ہے۔اس میں انھوں نے اس وقت کی سیاسی صورت حال پرمادرِوطن کی زبان سے تبصرہ اورتنقید کی ہے۔''(۱۵)

اٹھ اور ہلا کے رکھ دے یہ میدان ہست و بود
اغیار کو پیام عدم دے ترا وجود
بڑھ اور طوق کاٹ دے زنجیر توڑ دے
رختِ شہاں پہ آگ کا دامن نچوڑ دے

ایک اور میدان جو حالی، شبلی اور جوش میں مشترک ہے وہ ہے سوانح نگاری۔ حالی نے "یادگار غالب"، "حیات جاوید" اور "حیات سعدی" لکھیں۔ شبلی نے "الفاروق، الغزالی، المامون اور سیرت النبی ﷺ" لکھیں۔ جوش نے خودنوشت سوانح تحریر کی نیز اپنے احباب کے خاکے بھی تحریر کیے۔ جوش کی خودنوشت سوانح "یادوں کی برات" کے نام سے طبع ہوئی۔ ناقدین نے اسے متنازعہ خودنوشت سوانح قرار دیا ہے۔ اسے طرح حالی کی سوانح کو "مدلل مداحی" اور "کتاب المناقب" قرار دیا گیا ہے۔

جوش اپنے وقت کی ایک توانا آواز تھے لیکن انھوں نے اپنے پیش رووں سے بھی اثر قبول کیا۔ یہاں ہم نے ان امور کو بیان کیا ہے جو مماثل ہیں جن امور میں اختلاف ہے وہ زیر بحث نہیں لائے گئے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) حفیظ الرحمن خان، پاکستانی ادب کا منظر نامہ، مرتب: افتخار شفیع، لاہور، بک ہوم، ۲۰۰۶ء، ص ۱۴۵

(۲) جوش ملیح آبادی، یادوں کی برات (اضافہ شدہ ایڈیشن)، لاہور مکتبہ شعروادب، چوہدری اکیڈمی، مئی ۱۹۷۵ء، ص ۲۵۴-۲۵۶

(۳) محمد احسان الحق، ڈاکٹر، کلیات شبلی، لاہور الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص ۹

(۴) بحوالہ سید سلیمان ندوی، حیات شبلی، اعظم گڑھ، دارالمصنفین، ۱۹۸۶ء، ص ۱۳۵

(۵) محمد فاروق دیوا، ڈاکٹر، سرسید اور شبلی، تعلیم اور سماجی خدمات کا تقابلی مطالعہ، سری نگر، کشمیر، گلشن پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء، ص ۱۸۸

(۶) قمر رئیس (مرتب) جوش ملیح آبادی خصوصی مطالعہ، دہلی، تخلیق کار پبلشرز، ۲۰۰۵ء (دوسرا ایڈیشن)، ص ۱۰۶

(۷) صالحہ عابد حسین، یادگارِ حالی تذکرہ خواجہ الطاف حسین حالی، لاہور، بک ٹاک، ۲۰۰۷ء، ص ۴۰

(۸) معین احسن جذبی، حالی کا سیاسی شعور، علی گڑھ، انجمن ترقی اردو ہند، ستمبر ۱۹۵۹ء ص ۱۳۲
(۹) قمر رئیس (مرتب)، شاداب رضی، ڈاکٹر، جوش کے مرثیے چند مباحث، مشمولہ جوش ملیح آبادی خصوصی مطالعہ۔
(۱۰) صالحہ عابد حسین، محولہ بالا ص ۱۸۰
(۱۱) سید شہاب الدین دسنوی، شبلی (معاندانہ تنقید کی روشنی میں)، دہلی، انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۸۷ء ص ۳۳
(۱۲) ڈاکٹر کمال احمد صدیقی، جوش ملیح آبادی، شاعرِ فردا کا نقیب، مشمولہ جوش ملیح آبادی خصوصی مطالعہ از قمر رئیس، ص ۲۱۱
(۱۳) مقالات حالی، مرتبہ مولوی عبدالحق۔ علی گڑھ، انجمن ترقی ہند، ۱۹۶۶ء، ص ۶۷
(۱۴) روح ادب، جوش ملیح آبادی، ممبئی، تاج آفس محمد علی روڈ، ۱۹۲۱ء ص ۳۸
(۱۵) معین الدین عقیل، ڈاکٹر، تحریک آزادی میں اردو کا حصہ، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۷۶ء، ص ۴۵۱

✿✿✿